ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 2626

Program: M.A. Islamic Studies

Semester: Autumn 2026

WhatsApp Orders: +92 324 5836626

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ (شعبہ فکر اسلامی، تاریخ وثقافت)

کوڈ: اسلامی اخلاق وتصوف (2626)

سطح: ایم اے علوم اسلامیہ

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 2 (یونٹ نمبر 6 تا 9)

کل نمبر: 100 — کامیابی کے نمبر: 40

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ حل شدہ گائیڈ صرف مطالعہ اور رہنمائی کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ سے گزارش ہے کہ وہ نصابی کتاب کے متعلقہ یونٹس کا مطالعہ کر کے مفاہیم کو اچھی طرح سمجھیں اور امتحانی مشق اپنے الفاظ اور اپنے اندازِ تحریر میں لکھیں، کیونکہ ہو بہو نقل کی گئی مشق یونیورسٹی کے قواعد کے مطابق قابلِ قبول نہیں ہوتی۔ اس گائیڈ میں علمی معلومات عمومی مستند مآخذ کی روشنی میں اپنے الفاظ میں پیش کی گئی ہیں؛ قرآنی آیات واحادیث کے حوالے مفہوم کی وضاحت کے لیے عمومی معروف حوالوں کی صورت میں دیے گئے ہیں، لفظ بہ لفظ اقتباس کے بجائے ان کا مفہوم بیان کیا گیا ہے، اس لیے تحریر سے پہلے نصابی کتاب اور مستند ترجمے سے تصدیق ضرور کریں۔ تصوف کے احوال و مقامات کی بحث خالصتاً تعلیمی ہے؛ کسی مخصوص فرد کے روحانی مرتبے یا کسی معاصر عمل کے شرعی حکم کا فیصلہ اہلِ علم کا کام ہے۔

طریقۂ استعمال: ہر جواب تعارف، ذیلی عنوانات، جامع متن اور اختتام پر مشتمل ہے۔ جہاں وضاحت کے لیے مناسب ہوا وہاں جدول اور شکل بھی دی گئی ہے۔ تاریخی سال عمومی معلوماتی حوالے کے طور پر درج ہیں اور خاکوں کی قدریں تدریسی وضاحت کے لیے مثالی (illustrative) ہیں۔ تحریر کرتے وقت اپنے الفاظ استعمال کریں۔

کورس کا تعارف اور اس مشق کا جائزہ

امتحانی مشق نمبر 2 یونٹ نمبر 6 تا 9 پر مشتمل ہے جن کا محور تصوف کے مباحث ہیں: صوفیا کے نزدیک تقویٰ کی اہمیت، مقاماتِ تصوف کی قرآن و سنت کی روشنی میں وضاحت، مراقبہ و مکاشفے کی اہمیت، سلسلۂ سہروردیہ کا تعارف و خصوصیات اور خواجہ نظام الدین اولیا کا تعارف و خدمات۔ ہر سوال کے 20 نمبر ہیں، کل نمبر 100 اور کامیابی کے نمبر 40 ہیں، جیسا کہ چھپی ہوئی مشق میں درج ہے۔ اس گائیڈ میں تصوف کے مباحث متوازن و علمی انداز میں پیش کیے گئے ہیں؛ مقامات و کیفیات کی بحث کتاب و سنت کی روشنی میں رکھی گئی ہے اور سوانحی معلومات عمومی مستند حوالوں کی بنیاد پر اپنے الفاظ میں درج ہیں۔ طلبہ/طالبات کتاب کا مطالعہ کر کے اپنے الفاظ میں تحریر کریں۔

سوال نمبر 1 (20 نمبر)

سوال: صوفیا کے نزدیک تقویٰ کی اہمیت بیان کریں۔ (20)

تعارف

تقویٰ قرآن مجید کی مرکزی اصطلاحات میں سے ہے اور صوفیائے کرام کے نزدیک یہ پورے روحانی سفر کی بنیاد، شرط اور پیمانہ ہے۔ عام فہم میں تقویٰ کا ترجمہ پرہیز گاری یا اللہ کا خوف کیا جاتا ہے، مگر صوفیا کے ہاں اس کا مفہوم اس سے کہیں وسیع ہے: تقویٰ اس مستقل قلبی کیفیت کا نام ہے جس میں بندہ ہر لمحہ اللہ کی نگرانی کا احساس رکھتا ہے، اس کے احکام کی حفاظت کرتا ہے اور اپنے نفس کو اس کی نافرمانی سے بچا کر رکھتا ہے۔ صوفی کہتے ہیں کہ جس طرح جسم کی صحت حفاظت و پرہیز سے قائم رہتی ہے اسی طرح روح کی زندگی تقویٰ کے پرہیز سے قائم رہتی ہے؛ عبادت کی غذا بھی اسی وقت فائدہ دیتی ہے جب گناہ و غفلت سے پرہیز موجود ہو۔ اسی لیے صوفیائے کرام نے اپنے سالکین کی تربیت کا آغاز ہمیشہ تقویٰ اور ورع سے کیا اور مقامات و احوال کی تمام بلندیاں اسی بنیاد پر استوار سمجھیں۔ اس جواب میں تقویٰ کا مفہوم، قرآن و سنت میں اس کی فضیلت، صوفیا کے اقوال و تعلیمات میں اس کی اہمیت، اس کے درجات اور سالک کی زندگی میں اس کے عملی ثمرات بیان کیے جائیں گے۔

تقویٰ کا مفہوم اور درجات

تقویٰ عربی کے مادے "وق ی" سے ہے جس کے معنی بچانا اور حفاظت کرنا ہیں؛ گویا تقویٰ اپنے آپ کو اللہ کے عذاب اور اس کی ناراضی سے اس کی اطاعت کے ذریعے بچانے کا نام ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منسوب مشہور تعریف کا مفہوم ہے کہ تقویٰ اللہ جل جلالہ کا خوف، اس کے نازل کردہ احکام پر عمل، اس کے دیے ہوئے تھوڑے پر قناعت و رضا اور کوچ یعنی آخرت کے دن کی تیاری کا نام ہے؛ اس ایک تعریف میں خوف و امید، عمل و قناعت اور آخرت کی فکر یعنی تقویٰ کے تمام عناصر جمع ہو گئے ہیں۔ اہلِ علم و صوفیا نے تقویٰ کے درجات بیان کیے ہیں۔ پہلا درجہ عام تقویٰ ہے یعنی شرک و کفر اور بڑے گناہوں سے بچنا اور فرائض ادا کرنا، جو ہر مسلمان پر لازم ہے۔ دوسرا درجہ خاص تقویٰ ہے یعنی مشتبہ چیزوں اور ناپسندیدہ امور سے بھی اجتناب، جسے ورع کہا جاتا ہے؛ نبی کریم ﷺ کی تعلیم ہے کہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں، ان سے بچنے والے نے اپنے دین و عزت کو بچا لیا۔ تیسرا درجہ اخص تقویٰ ہے جس میں سالک اللہ کے سوا ہر اس شے سے بچتا ہے جو دل کو اس کی یاد سے غافل کر دے۔ یہ درجہ بندی ظاہر کرتی ہے کہ صوفیا کے نزدیک تقویٰ صرف حرام سے رکنے کا نام نہیں بلکہ شفافیت سے رکنے تک جاتا ہے۔

قرآن و سنت میں تقویٰ کی فضیلت

قرآن مجید میں تقویٰ کو اللہ کے نزدیک عزت کا واحد معیار قرار دیا گیا ہے کہ اللہ کے ہاں سب سے زیادہ عزت والا وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو؛ اس آیت نے نسب، مال و قوم کی برتری کے تمام پیمانے ختم کر دیے۔ متقین کے لیے قرآن میں دنیا و آخرت کی بے شمار بشارتیں ہیں: ان کے لیے ہدایت ہے، ان کے ساتھ اللہ کی معیت ہے، ان کے لیے مصیبت سے نکلنے کا راستہ اور غیر متوقع ذرائع سے رزق کا وعدہ ہے، ان کے اعمال قبول ہوتے ہیں، ان کے لیے جنت و بخشش کی نوید ہے اور قیامت کے دن ان کی نجات کا اعلان ہے۔ رمضان کے روزوں کا مقصد ہی تقویٰ کا پیدا ہونا بتایا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادات کی اصل غرض یہی کیفیت پیدا کرنا ہے۔ سنت میں بھی تقویٰ کو سب سے بڑی نیکی و خزانہ قرار دیا گیا ہے: ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ اکثر لوگ جنت میں تقویٰ اور حسنِ خلق کی وجہ سے داخل ہوں گے، اور آپ ﷺ نے متقی کو ہر معاملے

میں اللہ کا لحاظ رکھنے کی وصیت فرمائی خواہ وہ کہیں بھی ہو، اور برائی کے پیچھے نیکی کرنے کی تلقین کی جو اسے مٹا دے گی۔ سیرت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ دلوں کا وصف ہے: آپ ﷺ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کر کے تقویٰ کے یہاں ہونے کا ذکر فرمایا، یعنی اس کا تعلق ظاہری وضع قطع سے زیادہ قلب کی کیفیت سے ہے۔

صوفیا کے نزدیک تقویٰ کی اہمیت

صوفیائے کرام نے تقویٰ کو کئی اعتبار سے مرکزی اہمیت دی ہے۔ پہلی بات یہ کہ ان کے نزدیک تقویٰ طریقِ سلوک کی بنیاد و شرط ہے: بغیر تقویٰ کے مجاہدے، ذکر و مراقبے انسان کو روحانی فائدے کے بجائے خود پسندی و دھوکے میں مبتلا کر سکتے ہیں، اس لیے بزرگان دین نے فرمایا کہ جو شریعت و تقویٰ کا پابند نہیں اس کی کوئی کیفیت قابلِ اعتبار نہیں۔ امام قشیری نے "رسالہ قشیریہ" میں تقویٰ پر مستقل باب باندھا اور اسے تمام خیر کی جامع صفت قرار دیا۔ حضرت جنید بغدادی سے لے کر بعد کے اکابر تک کا متفقہ اصول یہ رہا کہ کرامت و استقامت کا پیمانہ ظاہری خوارق نہیں بلکہ تقویٰ و اتباعِ سنت ہے۔ دوسری بات یہ کہ صوفیا کے نزدیک تقویٰ کشف و معرفت کا دروازہ ہے: قرآن نے بھی متقیوں کے لیے حق و باطل میں امتیاز کرنے والی روشنی یعنی فرقان کا وعدہ کیا ہے، اور صوفیا اسے قلبی بصیرت سے تعبیر کرتے ہیں جو پاکیزہ دل کو عطا ہوتی ہے، گناہوں سے آلودہ دل کو نہیں۔ تیسری بات یہ کہ تقویٰ سالک کو توازن دیتا ہے: خوف و رجا کے درمیان اعتدال، عبادت میں ریاکاری سے حفاظت اور مخلوق کے حقوق کی ادائیگی، یہ سب تقویٰ ہی کے ثمرات ہیں۔ چوتھی بات یہ کہ صوفیا نے تقویٰ کو محض انفرادی پرہیز نہیں بلکہ معاشرتی ذمہ داری بھی سمجھا؛ ان کے نزدیک متقی وہ ہے جس کی زبان و ہاتھ سے دوسرے محفوظ رہیں اور جو لین دین و وعدے میں دیانت رکھے۔

جدول 1: صوفیا کے ہاں تقویٰ کے درجات اور ان کی علامات

علامت	مفہوم	درجہ
دین کی بنیادیں قائم رہنا	کفر و شرک اور کبیرہ گناہوں سے بچنا، فرائض کی ادائیگی	عام تقویٰ

حلال و حرام میں احتیاط، شبہہ والی آمدن و خوراک سے پرہیز	مشتبہ و مکروہ امور سے بھی اجتناب	خاص تقویٰ (ورع)
دوامِ حضور، دل کی اللہ سے لو	اللہ کی یاد سے غافل کرنے والی ہر شے سے اجتناب	اخص تقویٰ

تقویٰ کے عملی ثمرات

صوفیا کی تعلیمات میں تقویٰ کے ثمرات دنیا و آخرت دونوں میں بیان ہوئے ہیں۔ دینی و روحانی ثمرات میں دل کی صفائی و نورانیت، دعا کی قبولیت، عبادت میں لذت و حضور اور شیطان کے وسوسوں سے حفاظت شامل ہیں۔ نفسیاتی ثمرات میں سکونِ قلب، خوفِ خدا کے مقابلے میں مخلوق کے خوف سے آزادی اور مصیبت میں صبر و ثابت قدمی آتے ہیں؛ متقی جانتا ہے کہ اس کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے اس لیے لوگوں کی رضا و ناراضی اسے ہلا نہیں سکتی۔ سماجی ثمرات میں اعتماد و دیانت، معاملات کی صفائی اور کمزوروں کے حقوق کی حفاظت شامل ہیں؛ جس تاجر، افسر یا استاد میں تقویٰ ہو وہ نگرانی کی عدم موجودگی میں بھی خیانت نہیں کرتا اور یہی مزاج کسی معاشرے کی اخلاقی سرمائے کی اصل صورت ہے۔ آخرت کے ثمرات قرآن میں جنت، مغفرت اور نجات کی صورت میں بیان ہوئے ہیں۔ صوفیا ایک اور ثمرے کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں کہ تقویٰ انسان کے علم کو نافع بناتا ہے: علم کے ساتھ تقویٰ نہ ہو تو وہ تکبر و جھگڑے کا ذریعہ بن سکتا ہے، اور تقویٰ کے ساتھ تھوڑا علم بھی ہدایت بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خانقاہی تربیت میں علم و عمل کے ساتھ تقویٰ و ورع کی نگرانی سب سے سخت ہوتی تھی اور سالک کی پیش رفت اسی پیمانے سے ناپی جاتی تھی۔

اختتام

خلاصہ یہ ہے کہ صوفیا کے نزدیک تقویٰ محض ایک اخلاقی صفت نہیں بلکہ روحانی زندگی کی بنیاد، سلوک کی شرط، معرفت کا دروازہ اور کرامت کا اصل پیمانہ ہے۔ قرآن نے اسے عزت کا واحد معیار اور متقین کے لیے دنیا و آخرت کی بشارتوں سے جوڑا، سنت نے اسے جنت کی بڑی وجہ بتایا، اور صوفیا نے اس کے تین درجے بیان کر کے اسے حرام سے اجتناب سے لے کر غفلت سے اجتناب تک وسیع کر دیا۔ ان کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ تقویٰ کے بغیر ہر روحانی دعویٰ مشکوک ہے اور تقویٰ کے ساتھ معمولی عمل بھی وزنی ہے۔

آج کے طالب علم کے لیے عملی سبق یہ ہے کہ وہ اپنی پڑھائی، عبادت اور معاملات میں اللہ کی نگرانی کے احساس کو زندگی کا مزاج بنائے، کیونکہ یہی احساس صوفیا کی زبان میں تقویٰ اور قرآن کی زبان میں کامیابی کی کنجی ہے۔

سوال نمبر2 (20نمبر)

سوال: مقامات تصوف قرآن وسنت کی روشنی میں بیان کریں۔(20)

تعارف

مقاماتِ تصوف سے مراد وہ روحانی منزلیں ہیں جن سے سالک اللہ کی رضا و قرب کی طلب میں ترتیب و مجاہدہ کے ساتھ گزرتا ہے۔ صوفیائے کرام نے ان مقامات کی ترتیب اپنی تربیتی کتب میں بیان کی ہے؛ امام سراج طوسی کی "اللمع"، امام قشیری کے "رسالہ"، حضرت ہجویری کی "کشف المحجوب" اور حضرت شہاب الدین سہروردی کی "عوارف المعارف" میں یہ بحثیں ملتی ہیں۔ تاہم ایک بنیادی اصول اہلِ تصوف نے ہمیشہ واضح رکھا ہے کہ یہ مقامات کوئی الگ دین نہیں ہیں بلکہ قرآن وسنت کی مطلوبہ کیفیات ہی کو تربیتی ترتیب میں بیان کرنے کا نام ہے: توبہ، ورع و زہد، صبر، شکر، توکل، رضا اور محبت، یہ سب قرآن میں مدح و حکم کے ساتھ موجود ہیں اور سیرتِ نبوی و صحابہ کی زندگیوں میں ان کی عملی صورتیں نظر آتی ہیں۔ صوفیا نے "مقام" اور "حال" میں فرق بھی کیا ہے: مقام سالک کی کسب و مشق سے حاصل ہونے والی مستقل منزل ہے، جبکہ حال اللہ کی طرف سے دل پر وارد ہونے والی عارضی کیفیت ہے جو آتی و جاتی ہے۔ اس جواب میں پہلے یہ بنیادیں واضح کی جائیں گی، پھر نمایاں مقامات کو قرآن وسنت کی روشنی میں ترتیب سے بیان کیا جائے گا۔

مقام وحال کا فرق اور مقامات کی شرعی بنیاد

امام قشیری کی بیان کردہ تفریق کے مطابق مقام بندے کی کوشش، ریاضت اور مستقل عمل سے حاصل ہوتا ہے اور اس میں سالک کو ثبات و دوام ملتا ہے، جبکہ حال کسب سے نہیں آتا بلکہ دل پر نازل ہونے والی کیفیت ہے جس کا دوام سالک کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیا مقام کو حال سے زیادہ معتبر سمجھتے ہیں، کیونکہ امتحان اسی کا ہے جو قائم رہے۔ مقامات کی شرعی بنیاد کا اصول صوفیا خود اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ہر مقام کی جڑ قرآن و سنت میں ہونا ضروری ہے؛ جو عمل یا تصور کتاب و سنت سے ثابت نہ ہو اسے وہ طریقِ تصوف کا حصہ تسلیم نہیں کرتے۔ حضرت جنید بغدادی کا مشہور قول اس اصول کی ترجمانی ہے کہ یہ طریق کتاب و سنت کے ساتھ مقید ہے۔ اس تناظر میں مقامات کا مطالعہ یوں کرنا چاہیے کہ ہر مقام قرآن کی کسی مطلوبہ صفت، کسی حدیث کی تعلیم اور سیرت کی کسی عملی صورت کا تربیتی بیان ہے۔ البتہ یہ یاد رہے کہ مقامات کی تعداد و ترتیب میں صوفیا کے ہاں اختلاف ہے: کہیں سات مقامات گنوائے گئے ہیں، کہیں زیادہ، اور کہیں ان کی ترتیب مختلف ہے۔ یہ اختلاف اس بات کی دلیل ہے کہ یہ تدوین اہلِ فن کی تربیتی اجتہاد ہے، اسے وحی کے درجے میں نہیں رکھنا چاہیے؛ اصل اور غیر مختلف بات ان صفات کی قدر و شرعی حیثیت ہے۔

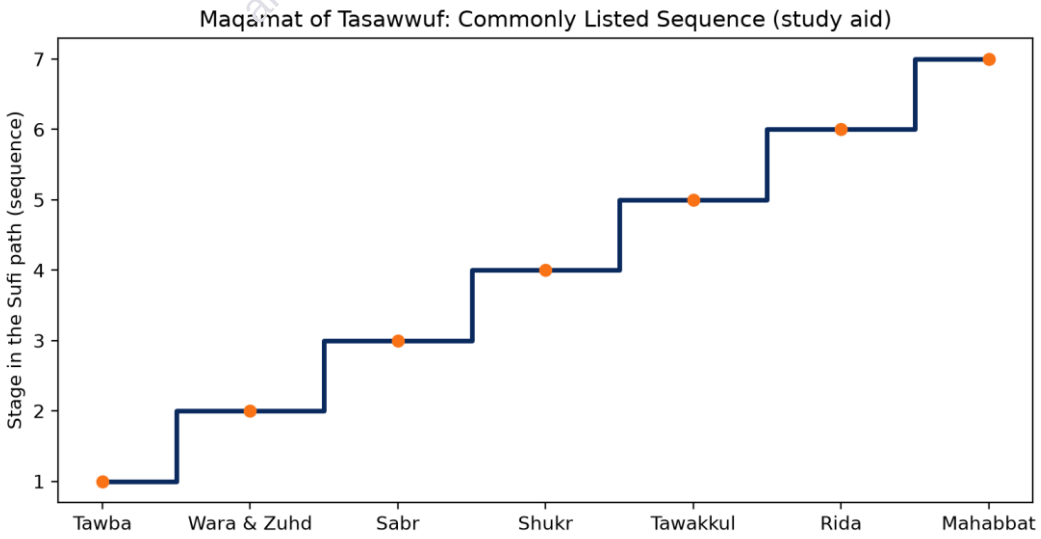

شکل 1: مقاماتِ تصوف کی عام تربیتی ترتیب — توبہ سے محبت تک (تدریسی خاکہ)

نمایاں مقامات قرآن وسنت کی روشنی میں

1۔توبہ،2۔ورع وزہد

پہلا مقام توبہ ہے جس کا معنی رجوع کرنا اور لوٹنا ہے۔ قرآن مجید میں ایمان والوں کو اللہ کی طرف اجتماعی توبہ کا حکم دیا گیا ہے اور اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور بندوں کی توبہ سے خوش ہونے والا بتایا گیا ہے۔ احادیث میں توبہ کرنے والے کو اس شخص کی طرح قرار دیا گیا ہے جس کا کوئی گناہ ہو ہی نہیں۔ صوفیا کے نزدیک توبہ صرف زبان کا اقرار نہیں بلکہ اس کی شرائط ہیں: گزشتہ پر ندامت، آئندہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ، گناہ کو فوراً چھوڑنا اور بندوں کے حقوق کی واپسی۔ اسی لیے وہ کہتے ہیں توبہ ہر مقام سے پہلے بھی ہے، ہر مقام کے ساتھ بھی اور ہر مقام کے بعد بھی، کیونکہ سالک جتنا آگے بڑھتا ہے اپنی پچھلی کوتاہیاں اتنی واضح ہوتی جاتی ہیں۔ دوسرا مقام ورع وزہد ہے۔ ورع مشتبہ چیزوں سے بچنے کا نام ہے جس کی بنیاد وہ حدیث ہے جس میں حلال و حرام کے واضح ہونے اور درمیانی مشتبہ امور سے بچنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ زہد دنیا سے بے رغبتی کا نام ہے جس کی قرآنی تصویر یہ ہے کہ نہ گم شدہ پر غم ہو اور نہ ملنے پر اترایا جائے۔ صوفیا نے واضح کیا ہے کہ زہد مال کے نہ رکھنے کا نام نہیں بلکہ مال کا دل میں نہ رہنے کا نام ہے؛ دنیا ہاتھ میں ہو اور دل میں نہ ہو۔ حضرت حسن بصری وغیرہ اکابر کی زندگیاں اس زہد کی عملی مثالیں ہیں جن میں دنیا سے بے رغبتی کے ساتھ مخلوق کی خدمت بھی جمع تھی۔

3۔صبر،4۔شکر

تیسرا مقام صبر ہے جس کا ذکر قرآن میں کثرت سے آیا ہے؛ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، صابرین کو بے حساب اجر کی بشارت ہے اور صبر و نماز سے مدد طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ سنت میں صبر کو روشنی قرار دیا گیا اور تکلیف و بیماری کو بھی مومن کے لیے خیر بتایا گیا۔ صوفیا نے صبر کی تین قسمیں بیان کی ہیں: طاعت پر صبر کہ فرائض و نیکی میں سستی کے باوجود قائم رہنا، معصیت سے صبر کہ خواہش و موقع کے باوجود گناہ سے رکنا، اور مصیبت پر صبر کہ شکوے و جزع فزع سے بچ کر اللہ کی تقدیر پر راضی رہنا۔ چوتھا مقام شکر ہے۔ قرآن میں اللہ نے اپنی نعمتوں پر شکر کی صورت میں اضافے کا وعدہ کیا اور ناشکری پر عذاب کی وعید سنائی، اور صابر و شاکر عبد کو بہترین بندہ قرار دیا گیا۔ آپ ﷺ کی نماز میں طویل قیام اور اس پر یہ فرمانا کہ کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں، شکر کی نبوی صورت ہے۔ صوفیا کے نزدیک شکر تین درجوں کا مجموعہ ہے: دل سے نعمت دینے

والے کی پہچان، زبان سے اس کی حمد و اقرار اور اعضاء سے نعمت کو اسی کی اطاعت میں استعمال کرنا۔ ان کے ہاں شکر کا یہ مقام صبر سے جڑا ہوا ہے؛ بعض نے مصیبت میں صبر اور نعمت میں شکر کو مومن کے دو بازو قرار دیا ہے۔

5۔ توکل، 6۔ رضا

پانچواں مقام توکل ہے۔ قرآن میں کہا گیا کہ جو اللہ پر توکل کرے اللہ اس کے لیے کافی ہے، مؤمنوں کی صفت ہی یہ بتائی گئی کہ وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں اور دعاؤں میں بھی یہی مضمون دہرایا گیا ہے۔ سنت میں توکل کا درست مفہوم وسائل اختیار کر کے نتیجہ اللہ کے سپرد کرنے سے واضح ہوتا ہے؛ پرندوں کی مثال والی حدیث میں یہ بیان ہوا کہ پرندے صبح بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر لوٹتے ہیں، یعنی حرکت و جستجو توکل کا حصہ ہے، ہاتھ پر ہاتھ رکھنا نہیں۔ صوفیا کہتے ہیں کہ اسباب اختیار کرنا سنت ہے اور اسباب پر بھروسا کر بیٹھنا توکل کے خلاف ہے، ان کے ہاں توکل دل کی کیفیت ہے نہ کہ عمل کا ترک۔ چھٹا مقام رضا ہے یعنی اللہ کے فیصلوں پر دل کا مطمئن و راضی رہنا۔ قرآن میں "اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی" کا مضمون مومنوں کی اعلیٰ صفت کے طور پر آیا ہے، اور احادیث میں تقدیر پر رضا کو ایمان کی حلاوت کی شرط بتایا گیا ہے۔ صوفیا نے رضا کو مقامات کی آخری بڑی منزل قرار دیا ہے، کیونکہ اس میں بندے کا اپنا ارادہ و پسند اللہ کی پسند میں فنا ہو جاتا ہے؛ تاہم انہوں نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ رضا ظلم و گناہ پر راضی ہونے کا نام نہیں، انسان گناہ و ظلم کو بدلنے کی شرعی کوشش کرے گا، البتہ اس کوشش کے بعد پیش آنے والے حالات میں اللہ کی تقدیر پر دل سے مطمئن رہے گا۔

7۔ محبت و دیگر مقامات

مقامات کی فہرست میں محبتِ الٰہی کو بلند ترین کیفیات میں شمار کیا گیا ہے۔ قرآن میں کہا گیا کہ اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں، اور مومنین کی اللہ سے محبت کو شدت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ حدیثِ قدسی کا مفہوم ہے کہ بندہ فرائض کے ذریعے قرب حاصل کرتا ہے اور نوافل کے ذریعے اللہ کی محبت تک پہنچتا ہے۔ صوفیا کے نزدیک محبت مقامات کا پھل بھی ہے اور اگلے سفر کی قوت بھی؛ اسی لیے بعض نے محبت کو مقام اور بعض نے حال کہا ہے، کیونکہ یہ بندے کے کسب سے زیادہ اللہ کی عطا ہوتی ہے۔ ان بڑے مقامات کے علاوہ کتبِ تصوف میں خوف و رجا، فقر و غنا، اخلاص، صدق، محاسبہ و مراقبہ اور فنا و بقا جیسے عناوین بھی ملتے ہیں۔ اخلاص کو تو ہر عمل کی روح قرار دیا

گیا ہے اور قرآن میں عبادت کو خالص اللہ کے لیے کرنے کا حکم موجود ہے۔ محاسبہ نفس کی بنیاد اس مشہور ارشاد سے لی جاتی ہے کہ اس سے پہلے کہ تمہارا حساب ہو اپنے نفس کا حساب خود کرو۔ ان تمام مقامات کے بارے میں اصولی بات یہی ہے کہ ان کی حقیقتیں شریعت کی مطلوبہ صفات ہیں، البتہ ان کی درجہ بندی و اصطلاحی تشریحات صوفیا کی تربیتی کاوش ہیں جن کا جائزہ کتاب و سنت کی روشنی میں ہی لیا جائے گا۔

جدول 1: مقاماتِ تصوف اور ان کی قرآن و سنت میں بنیاد

مقام	مفہوم	کتاب و سنت میں بنیاد کا خلاصہ
توبہ	گناہ سے رجوع و واپسی	توبہ کا حکم؛ توبہ قبول کرنے والے رب کی بشارتیں
ورع و زہد	مشتبہ سے اجتناب؛ دنیا سے بے رغبتی	مشتبہ امور سے بچنے کی حدیث؛ دنیا کو آخرت کی کھیتی سمجھنا
صبر	طاعت، ترکِ گناہ و مصیبت پر ثابت قدمی	اللہ صابرین کے ساتھ؛ بے حساب اجر کا وعدہ
شکر	نعمت کی پہچان، حمد و درست استعمال	شکر پر اضافے کا وعدہ؛ شکر گزار بندے کا نبوی نمونہ
توکل	اسباب کے ساتھ دل کا بھروسا اللہ پر	متوکل کے لیے اللہ کی کفایت کا وعدہ
رضا و محبت	فیصلۂ الٰہی پر اطمینان؛ اللہ سے شدید محبت	باہمی رضا کا قرآنی بیان؛ مومنین کی شدید محبت

اختتام

خلاصہ یہ ہے کہ مقاماتِ تصوف توبہ، ورع و زہد، صبر، شکر، توکل، رضا اور محبت جیسی روحانی منازل کا تربیتی نقشہ ہے جن میں سے ہر ایک کی جڑ قرآن کی صریح تعلیمات اور سنت و سیرت کی عملی مثالوں میں موجود ہے۔ صوفیا نے مقام و حال کا فرق بیان کر کے یہ بھی واضح کر دیا کہ اہم چیز وقتی کیفیت نہیں بلکہ مستقل اخلاقی و روحانی پختگی ہے۔ ان مقامات

کی تعداد و ترتیب میں اختلاف ان کی اجتہادی و تربیتی حیثیت ظاہر کرتا ہے، اس لیے ان کا مطالعہ کتاب و سنت کی میزان پر کرنا چاہیے۔ طالب علم کے لیے ان مقامات کی آج کی اہمیت یہ ہے کہ یہ اس کی اپنی زندگی کا آئینہ ہیں: وہ اپنے آپ کو پرکھ سکتا ہے کہ توبہ و اخلاص کہاں ہے، صبر و شکر کا درجہ کیا ہے اور اللہ پر توکل و رضا کتنی عملی حقیقت بنی ہے۔ یہی خود جائزہ اصل میں مقامات کے مطالعے کا مقصد ہے، نہ کہ محض معلومات کا ذخیرہ۔

سوال نمبر 3 (20 نمبر)

سوال: تصوف میں مراقبہ اور مکاشفہ کی اہمیت بیان کریں۔ (20)

تعارف

مراقبہ اور مکاشفہ تصوف کی ان اصطلاحات میں سے ہیں جن کے بارے میں سب سے زیادہ گفتگو بھی ہوتی ہے اور سب سے زیادہ غلط فہمیاں بھی پیدا ہوئی ہیں۔ مراقبہ اہلِ تصوف کے یہاں تربیتِ نفس و حضورِ قلب کا ایک بنیادی عمل ہے، جبکہ مکاشفہ ان انکشافات و کیفیات کو کہا جاتا ہے جو تزکیہ و مجاہدے کے نتیجے میں بعض اوقات سالک کے دل پر ظاہر ہوتی ہیں۔ اہلِ سنت کے معتدل صوفیا نے ہمیشہ اس بات پر زور دیا ہے کہ مراقبے کی بنیاد قرآن و سنت کی معروف تعلیمات یعنی احسان، ذکر، محاسبہ اور اللہ کی نگرانی کے احساس میں ہے، اور مکاشفے کی حیثیت وحی یا شرعی دلیل کی نہیں بلکہ ذاتی کیفیت کی ہے جسے کتاب و سنت پر پرکھا جائے گا۔ حضرت مجدد الف ثانی جیسے اکابر نے اس میزان کو خاص طور پر سخت کیا اور فرمایا کہ جو کشف شریعت کے خلاف ہو وہ باطل ہے۔ اس جواب میں مراقبے کا مفہوم، اس کی شرعی بنیاد و اقسام، تصوف میں اس کی تربیتی اہمیت اور پھر مکاشفے کا مفہوم، اس کی اہمیت کی حدود اور صوفیا کے اس بارے میں احتیاطی اصول بیان کیے جائیں گے، تاکہ موضوع اپنی علمی و متوازن صورت میں واضح ہو جائے۔

مراقبے کا مفہوم اور شرعی بنیاد

مراقبہ "رقب" سے ہے جس کے معنی نگرانی کرنا اور حفاظت کرنا ہیں؛ اللہ کے ناموں میں "الرقیب" بھی ہے یعنی نگران۔ اصطلاح میں مراقبہ اس کیفیت کا نام ہے کہ بندہ اس یقین و حضور کے ساتھ دل کو حاضر رکھے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے، اس کے ظاہر و باطن سے واقف ہے اور اس کا کوئی لمحہ اس کی نظر سے باہر نہیں۔ اس کیفیت کی سب سے بڑی شرعی بنیاد حدیثِ جبریل میں بیان کردہ "احسان" ہے جس کی تعریف یہ کی گئی کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، اور اگر یہ درجہ نہ ہو تو کم از کم یہ یقین رکھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ یہی احسان مراقبے کی روح ہے۔ قرآن میں بھی اللہ کی معیت و نگرانی کی تعلیمات جابجا آئی ہیں: وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو، وہ آنکھوں کی خیانت اور سینوں کے راز جانتا ہے، اور وہ انسان سے اس کی رگِ گردن سے بھی زیادہ قریب ہے۔ ان تعلیمات کا مقصد محض عقیدہ بتانا نہیں بلکہ زندگی کی ہر تنہائی و محفل میں نگرانی کا وہ احساس پیدا کرنا ہے جو انسان کو گناہ سے روکے اور عبادت میں حضور بخشے۔ صوفیا کے عملی نظام میں مراقبہ ایک مقررہ وقت میں دل کو جمع کر کے اللہ کی طرف متوجہ رکھنے کی مشق بھی کہلاتا ہے، مگر اس کا وسیع مفہوم دن بھر کا یہی حضور و نگرانی کا شعور ہے۔

مراقبے کی اقسام اور تربیتی طریقہ

کتبِ تصوف میں مراقبے کی کیفیات و درجے کئی طرح بیان ہوئے ہیں جن کا خلاصہ تین بڑی صورتوں میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ پہلی صورت یہ کہ سالک اپنے دل و اعمال کی نگرانی کرے: ہر عمل سے پہلے نیت پرکھے، عمل کے دوران مقصد سامنے رکھے اور عمل کے بعد محاسبہ کرے کہ اس میں اخلاص تھا یا ریا۔ اسے محاسبہ و مراقبۂ نفس کہا جا سکتا ہے، اور یہ نبوی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔ دوسری صورت اللہ کی صفات و نعمتوں میں غور و فکر ہے یعنی تفکر، جس کی قرآن نے جابجا دعوت دی ہے اور ایک گھڑی کے تفکر کو طویل بے روح عبادت سے بہتر کہنے کا مفہوم روایات میں ملتا ہے۔ تیسری صورت ذکر کے ساتھ حضور کی مشق ہے: مرشد کی رہنمائی میں مقررہ وقت بیٹھ کر دل کو غیر ضروری خیالات سے خالی کر کے اللہ کی یاد و نگرانی میں جمع رکھنا۔ معتدل صوفیا اس مشق کو بھی شریعت کی حدود کا پابند رکھتے ہیں؛ اس میں کوئی ایسا عمل شامل نہیں جو سنت کے خلاف ہو اور نہ ہی اسے فرض و واجب کا درجہ دیا جاتا ہے، یہ نفلی تربیتی ذریعہ ہے۔ اسی لیے یہ نکتہ ان کی کتابوں میں واضح ملتا ہے کہ مراقبہ فرائض کا متبادل نہیں؛ جو شخص نماز و روزے میں سست ہو

اور مراقبے کا دعویٰ کرے اس کا دعویٰ ان کے معیار پر بھی مردود ہے۔ سالک کی پیش رفت کا پیمانہ یہ رکھا گیا ہے کہ مراقبے کے اثرات اس کی روزمرہ دیانت، زبان کی حفاظت اور گناہ سے اجتناب میں دکھائی دیں۔

تصوف میں مراقبے کی اہمیت

تصوف میں مراقبے کو اس لیے بنیادی اہمیت حاصل ہے کہ یہ پورے عمل کو جوڑنے والی کڑی ہے۔ اول، مراقبہ اخلاص پیدا کرتا ہے: جب انسان کو یقین ہو کہ دیکھنے والا اللہ ہے تو دکھاوے کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے اور نیکی بازار کی چیز نہیں رہتی۔ دوم، مراقبہ گناہ سے حفاظت کرتا ہے: اکثر گناہ اسی احساس کی کمی سے ہوتے ہیں کہ کوئی دیکھ نہیں رہا؛ مراقبہ تنہائی میں بھی اسی احساس کو زندہ رکھتا ہے جسے تقویٰ کی عملی صورت کہا گیا ہے۔ سوم، مراقبہ عبادت میں حضور و خشوع پیدا کرتا ہے؛ بے دھیان نماز و ذکر کی تعداد تو پوری ہو جاتی ہے مگر ان کا روحانی ثمر کم ہوتا ہے، حضورِ قلب ان عبادات کو زندگی عطا کرتا ہے۔ چہارم، مراقبہ خود شناسی کا ذریعہ ہے: انسان اپنے نفس کی چھپی کمزوریوں، حبِ جاہ، حسد و کینہ جیسی اندرونی بیماریوں کو اسی نگرانی میں پکڑتا ہے اور ان کا علاج کر سکتا ہے۔ پنجم، مراقبہ استقامت کی بنیاد ہے، کیونکہ جس کا دن اس شعور کے ساتھ گزرے وہ وقتی جوش پر منحصر نہیں رہتا۔ چھٹا فائدہ ذہنی و نفسیاتی سکون ہے: دنیا کے دباؤ و پریشانی میں اللہ کی معیت کا یقین دل کو وہ اطمینان دیتا ہے جس کی طرف قرآن نے ذکرِ الٰہی کے ذریعے دلوں کے اطمینان کی آیت میں رہنمائی کی ہے۔ انہی فوائد کی وجہ سے سلسلوں کے نظام میں مراقبہ روزانہ کے معمولات کا باقاعدہ حصہ رہا ہے۔

جدول 1: مراقبہ — مفہوم، بنیاد اور ثمرات

پہلو	وضاحت
لغوی معنی	نگرانی و حفاظت؛ اللہ الرقیب ہے
اصطلاحی مفہوم	یہ یقین و حضور کہ اللہ ہر حال میں دیکھ رہا ہے
شرعی بنیاد	احسان کی حدیث؛ اللہ کی معیت و قرب کی آیات

اخلاص، گناہ سے حفاظت، خشوع، خودشناسی، سکونِ قلب	بنیادی ثمرات
اثرات کا روزمرہ سیرت و معاملات میں ظاہر ہونا	درست پیمانہ

مکاشفہ: مفہوم اور صوفیا کے اصول

مکاشفہ "کشف" سے ہے جس کے معنی پردہ اٹھنا اور بات کا ظاہر ہونا ہیں۔ اصطلاح میں اس سے مراد وہ انکشاف یا قلبی ادراک ہے جو تزکیہ، ذکر و مجاہدے کے بعد بعض اوقات سالک کے دل پر ایسے امور کے بارے میں پیدا ہوتا ہے جو عام حواس کی گرفت میں نہیں آتے مثلاً کسی کے باطنی حال کا ادراک یا آئندہ کے کسی واقعے کا پیشگی اشارہ۔ صوفیا نے مکاشفے کو کئی طرح سے تقسیم بھی کیا ہے اور اس کے ساتھ "مشاہدہ" و "معائنہ" جیسے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں جن سے قلبی یقین کے مراتب مراد لیے جاتے ہیں۔ اس بارے میں اہلِ سنت صوفیا کے تین اصول ہمیشہ واضح رہے ہیں۔ پہلا اصول یہ کہ مکاشفہ شرعی دلیل نہیں ہے: حلال و حرام اور عقیدے کے فیصلے صرف قرآن، سنت اور ان سے ماخوذ اجماع و قیاس سے ہوں گے، کسی کے کشف سے کوئی حکم ثابت یا منسوخ نہیں ہوتا۔ دوسرا اصول یہ کہ مکاشفے کا معیار کتاب و سنت ہے؛ جو کشف ان سے ٹکرائے وہ اہلِ حق کے نزدیک مردود ہے، خواہ اس کے بیان کرنے والا کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو۔ تیسرا اصول یہ کہ مکاشفہ منزل یا کمال کی شرط نہیں ہے؛ بہت سے بڑے اہلِ اللہ کو ظاہری کشف نہیں ہوا اور بہت سے اشخاص کو نفسی یا شیطانی وسوسے بھی انکشاف محسوس ہو سکتے ہیں، اس لیے پیمانہ تقویٰ و اتباع ہے نہ کہ غیر معمولی کیفیات۔ انہی اصولوں کی وجہ سے بزرگوں نے کشف کے پیچھے دوڑنے سے منع کیا اور اسے راستے میں نظر آنے والا حاشیہ قرار دیا، منزل نہیں۔

مکاشفے کی اہمیت اور اس کی حدود

ان اصولوں کے اندر رہتے ہوئے مکاشفے کی ایک محدود اہمیت صوفیا کے ہاں تسلیم کی گئی ہے۔ اول یہ کہ سچا مکاشفہ سالک کے یقین میں اضافے کا ذریعہ بن سکتا ہے، جیسے کسی تربیتی مرحلے میں دل پر حق بات کا القا ہو جانا اسے تھام لیتا ہے۔ دوم یہ کہ مرشد کے لیے سالک کے باطنی حال کا ادراک اس کی تربیت میں معاون ہو سکتا ہے، اور خانقاہی نظام میں اس پہلو کو تربیت کی حکمت کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ سوم یہ کہ تاریخِ تصوف میں کشف و الہام کی بحث نے علمِ نفسیات و کیفیاتِ قلب پر گہری علمی گفتگو پیدا کی، جس سے

انسانی باطن کے مطالعے کا ایک بڑا باب کھلا۔ تاہم اس اہمیت کے ساتھ حدود کی تاکید اس سے بڑھ کر ہے۔ مکاشفے کو تبلیغ و دعوت کا بنیادی ذریعہ بنانا، اس پر عقیدہ یا عمل کی بنیاد رکھنا، اس کے ذریعے لوگوں پر روحانی رعب قائم کرنا یا اسے معاش کا وسیلہ بنانا، صوفیا کے مسلک کے خلاف سمجھا گیا ہے۔ اسی طرح خواب و کشف میں نظر آنے والی باتوں کو قطعی خبریں سمجھ کر پھیلانا معاشرے میں فتنہ و غلط فہمی پیدا کرتا ہے۔ مشائخ کی سوانح میں بیان شدہ انکشافات کو بھی تاریخی و تربیتی بیانات کے طور پر پڑھنا چاہیے، ان کے لفظ بہ لفظ مندرجات کا آزادانہ اطلاق درست علمی روش نہیں ہے۔ آج کے دور میں جب روحانیت کے نام پر دھوکے کے واقعات سامنے آتے ہیں، صوفیا کے یہ احتیاطی اصول طالب علم کے لیے حفاظتی حصار کی حیثیت رکھتے ہیں: اصل سرمایہ تقویٰ، اتباعِ سنت اور اخلاق ہے، کشف و کرامت کی طلب ہی نہیں تو دھوکے کا دروازہ بڑی حد تک بند ہو جاتا ہے۔

اختتام

خلاصہ یہ ہے کہ تصوف میں مراقبہ مرکزی تربیتی عمل ہے جس کی بنیاد احسان کی حدیث اور اللہ کی نگرانی و معیت کی قرآنی تعلیمات میں ہے؛ یہ اخلاص، خشوع، خود شناسی اور گناہ سے حفاظت پیدا کرتا ہے اور اس کا پیمانہ سالک کی روزمرہ سیرت ہے۔ مکاشفہ اس راستے کی ممکنہ کیفیت ہے جس کی اہمیت صوفیا کے نزدیک کتاب و سنت کے تابع اور ذاتی کیفیات کی حد تک محدود رکھی ہے؛ یہ نہ شرعی دلیل ہے، نہ کمال کی شرط اور نہ طلب کی چیز۔ یہی توازن تصوف کی معتدل روایت کی پہچان ہے جس میں ظاہر و باطن، شریعت و طریقت اور عمل و کیفیت اپنے اپنے دائرے میں رہتے ہیں۔ طالب علم کے لیے نتیجہ یہ ہے کہ وہ مراقبے کے شرعی مفہوم یعنی اللہ کی نگرانی کے احساس کو اپنی زندگی کا معمول بنائے اور کیفیات و انکشافات کے بجائے تقویٰ و اتباع کو اپنی ترقی کا پیمانہ سمجھے۔

سوال نمبر 4 (20 نمبر)

سوال: سلسلہ سہروردیہ کا تعارف اور اس کی خصوصیات بیان کریں۔ (20)

تعارف

سلسلۂ سہروردیہ برصغیر وعالمِ اسلام کے چار مشہور سلاسلِ تصوف یعنی قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ میں سے ایک اہم سلسلہ ہے۔ اس کی نسبت شہر سہرورد (موجودہ ایران کے علاقے زنجان کے قریب واقع قدیم قصبہ) کی طرف ہے اور اس کے بانی و امام حضرت شیخ شہاب الدین ابو حفص عمر سہروردی (وفات 632ھ / 1234ء) ہیں، جن کی تصنیف ''عوارف المعارف'' کو سلاسلِ تصوف کی بنیادی نصابی کتب میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ خانقاہی تربیت کے ساتھ ساتھ علم، شریعت کی پابندی اور سماجی و سیاسی زندگی سے مثبت رابطے پر بھی زور دیتا ہے۔ برصغیر میں اسے حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمہ اللہ نے فروغ دیا اور ملتان اس کا عظیم مرکز بنا، جہاں سے اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا وسیع کام ہوا۔ اس جواب میں سلسلے کا تاریخی تعارف، اس کے بانی و اہم مشائخ، برصغیر میں اس کی اشاعت اور اس کی نمایاں خصوصیات ترتیب سے بیان کی جائیں گی۔ تاریخی سال عمومی معلوماتی حوالے کے طور پر درج کیے گئے ہیں۔

تاریخی تعارف اور بانیِ سلسلہ

سہروردی نسبت سے دو بڑی شخصیات مشہور ہیں جن میں فرق کرنا ضروری ہے: ایک شہاب الدین یحییٰ سہروردی ہیں جو فلسفۂ اشراق کے بانی تھے اور ''شیخ مقتول'' کہلاتے ہیں، دوسرے شیخ شہاب الدین عمر سہروردی ہیں جو سلسلۂ سہروردیہ کے بانی ہیں۔ ہمارا موضوع دوسرے بزرگ ہیں۔ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی 539ھ / 1145ء کے قریب سہرورد میں پیدا ہوئے، بغداد میں علم و سلوک کی تکمیل کی اور اپنے چچا شیخ ابو النجیب سہروردی، صاحبِ ''آداب المریدین'' کے تربیت یافتہ و خلیفہ ہوئے؛ سلسلے کی فکری بنیاد دراصل شیخ ابو النجیب سے شروع ہوتی ہے اور اس کی تکمیل و اشاعت شیخ شہاب الدین کے ہاتھوں ہوئی، اس لیے دونوں کو سلسلے کے اکابر میں شمار کیا جاتا ہے۔ شیخ شہاب الدین بغداد میں دار الخلافہ کے قریب رہتے ہوئے بھی علمی و روحانی وقار رکھتے تھے؛ عباسی خلیفہ الناصر لدین اللہ سے ان کے روابط رہے اور وہ سفارتی و اصلاحی مشن پر بھی بھیجے گئے۔ ان کی کتاب ''عوارف المعارف'' تصوف کے آداب، مقامات و احوال، خانقاہی نظام اور مرید و شیخ کے حقوق پر ایسی جامع کتاب ہے کہ بعد کے تقریباً تمام سلاسل میں اس کا مطالعہ رہا ہے۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت اعتدال ہے: شریعت و طریقت کا امتزاج، سنت کی پابندی اور سماع و دیگر مسائل میں متوازن موقف۔

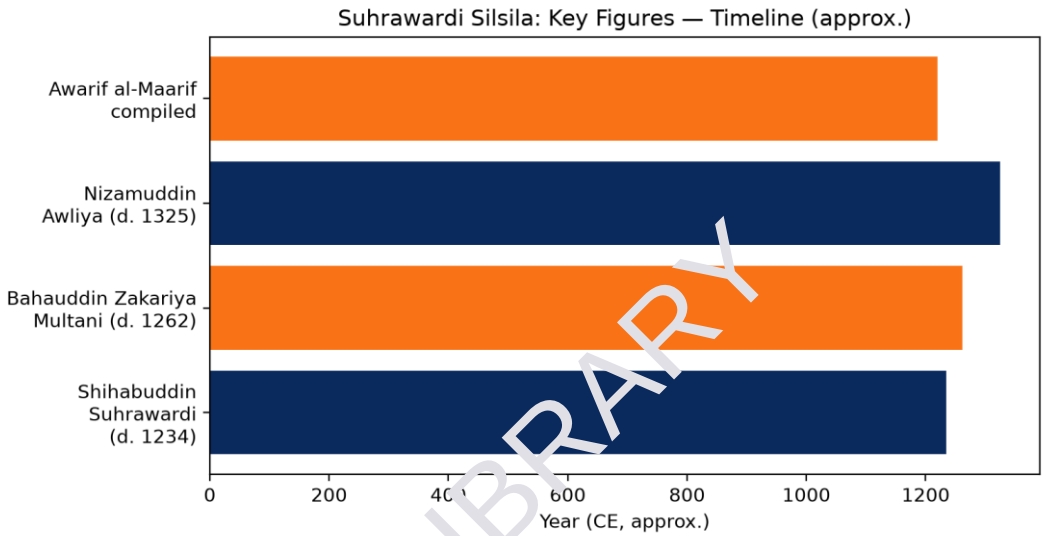

شکل 1: سلسلۂ سہروردیہ کے کلیدی بزرگ — تقریبی تاریخی خاکہ (سال تقریبی معلوماتی حوالے ہیں)

برصغیر میں اشاعت: ملتان کا مرکز

برصغیر پاک و ہند میں سہروردی سلسلے کو حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی (وفات 661ھ / 1262ء) نے متعارف و مقبول کیا۔ آپ نے مکہ و مدینہ و بغداد کا سفر کر کے شیخ شہاب الدین سہروردی سے خلافت حاصل کی اور ملتان میں خانقاہ قائم کی جو جلد ہی برصغیر کا بڑا روحانی و تبلیغی مرکز بن گئی۔ ملتان اس وقت سرحدی و سیاسی اہمیت کا شہر تھا؛ خانقاہ سے اشاعتِ اسلام، علم کی تدریس، مسافروں و ضرورت مندوں کی خدمت اور مقامی آبادی سے رابطے کا وسیع نظام چلا۔ حضرت بہاء الدین زکریا کے بعد ان کے صاحبزادے و خلفاء نے یہ سلسلہ آگے بڑھایا اور یہ اچ، سندھ، پنجاب و دیگر علاقوں میں پھیلا۔ اس خطے کے دوسرے بڑے سہروردی بزرگوں میں حضرت جلال الدین سرخ بخاری اور ان کے پوتے مخدوم جہانیاں جہان گشت کا نام خاص طور پر لیا جاتا ہے، جن کے تبلیغی اسفار و علمی خدمات سے سلسلے کو بنگال تک رسائی ملی۔ تاریخی روایات کے مطابق سہروردی مشائخ کے مقامی حکمرانوں سے بھی روابط رہے جنہیں انہوں نے ظلم سے روکنے، رعایا پر آسانی اور دین کی تبلیغ کے لیے استعمال کیا، اور یہی پہلو چشتی خانقاہوں کی حکمرانوں سے عمومی دوری کے مقابلے میں اس سلسلے کی نمایاں شناخت بنا۔

سلسلۂ سہروردیہ کی خصوصیات

1۔ شریعت و سنت کی پابندی اور علمی مزاج

سہروردیہ کی پہلی بنیادی خصوصیت شریعت و سنت کی سخت پابندی اور علم کو روحانیت کی بنیاد ماننا ہے۔ ”عوارف المعارف“ کا پورا اسلوب یہی ہے کہ ہر روحانی عمل کی اصل کتاب و سنت سے دکھائی جائے اور خانقاہی آداب کو شرعی حدود کے اندر رکھا جائے۔ اس سلسلے میں اہلِ خانقاہ کا علماء سے گہرا رابطہ رہا، بہت سے مشائخ خود بڑے عالم و مدرس تھے، اور مدرسہ و خانقاہ کا امتزاج اس سلسلے کی سماجی صورت بن گیا۔ اس علمی مزاج کا فائدہ یہ ہوا کہ سلسلہ افراط و تفریط سے محفوظ رہا اور عام مسلمان کے لیے قابلِ قبول رہا۔

2۔ حکمرانوں سے رابطہ اور سماجی کردار

دوسری نمایاں خصوصیت اربابِ اقتدار سے رابطہ رکھ کر اصلاح کی کوشش ہے۔ سہروردی مشائخ سلطان و امراء کی مجالس میں حق گوئی و نصیحت کو اپنا فرض سمجھتے تھے اور اس رابطے کو ظالموں کی روک، مظلوموں کی مدد اور دینی اداروں کے قیام کے لیے استعمال کرتے تھے۔ تاہم اس سلسلے کے اکابر نے دنیوی جاہ کے لیے درباری وابستگی کی بھی مذمت کی ہے اور اس رابطے کی حد یہ رکھی ہے کہ شیخ حکمران کا محتاج نہ بنے بلکہ ناصح رہے۔ اسی توازن کو بعد کے اہلِ علم نے اس سلسلے کی اجتماعی حکمت قرار دیا ہے، کیونکہ اس کے ذریعے خانقاہ معاشرے سے کٹنے کے بجائے اس کی اصلاح میں شریک رہی۔

3۔ خدمتِ خلق، خانقاہی نظام اور دیگر خصوصیات

تیسری خصوصیت منظم خانقاہی نظام و خدمتِ خلق ہے۔ سہروردی خانقاہوں میں لنگر، مسافر خانہ، وظائف و تعلیم کا باقاعدہ انتظام ہوتا تھا اور شیخ زادوں و خلفاء کے ذریعے سلسلہ نسل در نسل منظم طریقے سے آگے بڑھتا تھا۔ چوتھی خصوصیت اعتدال و توازن ہے: سماع وغیرہ متنازعہ مسائل میں اس سلسلے کا موقف نسبتاً محتاط رہا اور عبادات و معاملات میں ظاہر کی پابندی پر زور دیا گیا۔ پانچویں خصوصیت یہ سمجھی جاتی ہے کہ اس سلسلے میں دنیوی اسباب و کسب کو ترک کرنے کے بجائے ان کی اصلاح کر کے اپنایا گیا؛ تاجر و کاشت کار و ملازمت پیشہ مریدین اپنی زندگی میں رہتے ہوئے سلوک طے کرتے تھے، اور بعض اکابر نے ذاتی جائیداد و انتظام کو خانقاہی نظام کی مادی بنیاد کے طور پر بھی قبول کیا، جس پر بعد

کے بعض صوفیا نے تنقیدی بحث بھی کی ہے۔ طالب علم کے لیے یہ مباحث اسی طرح پڑھنی چاہئیں کہ ہر سلسلے کے مزاج و حالات مختلف تھے اور ان کے طریقے اپنے اپنے دور کی تربیتی حکمت تھے، جن کا مشترک جوہر شریعت کی پابندی، تزکیۂ نفس اور خدمتِ خلق ہے۔

جدول 1: چار مشہور سلاسل کا مختصر تعارفی موازنہ

سلسلہ	نسبت / بانی روایت	برصغیر میں نمایاں مرکز
قادریہ	شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ	بغداد سے اشاعت؛ برصغیر میں مختلف مراکز
چشتیہ	خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ	اجمیر، دہلی
سہروردیہ	شیخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمہ اللہ	ملتان، اچ
نقشبندیہ	خواجہ بہاءالدین نقشبند رحمہ اللہ	بخارا سے اشاعت؛ برصغیر میں دہلی و پنجاب

اختتام

خلاصہ یہ ہے کہ سلسلۂ سہروردیہ شیخ شہاب الدین سہروردی اور ان کی شہرۂ آفاق کتاب ”عوارف المعارف“ سے وابستہ وہ منظم سلسلہ ہے جس نے شریعت و سنت کی پابندی، علمی مزاج، منظم خانقاہ و خدمتِ خلق اور حکمرانوں سے ناصحانہ رابطے جیسی خصوصیات کے ساتھ عالمِ اسلام میں بڑا تربیتی و تبلیغی کردار ادا کیا۔ برصغیر میں حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی کی خانقاہ اس کا روشن مرکز بنی جس سے خطے میں اسلام کی اشاعت کو تقویت ملی۔ دیگر سلاسل کی طرح اس سلسلے کا اصل پیغام بھی تزکیۂ نفس، اتباعِ سنت اور مخلوق کی خدمت ہے؛ سلسلوں کے طریقہ کار کے فرق کو ان کے تاریخی مزاج کے طور پر سمجھنا علمی انصاف ہے۔ طالب علم کو اس تعارف سے یہ سبق لینا چاہیے کہ روحانیت معاشرے سے فرار نہیں بلکہ علم، نظم و خدمت کے ساتھ اس کی اصلاح کا نام بھی ہو سکتی ہے، اور یہی سہروردی مزاج کا مرکزی نکتہ ہے۔

سوال نمبر 5 (20 نمبر)

سوال: خواجہ نظام الدین اولیا کا تعارف اور ان کی خدمات بیان کریں۔ (20)

تعارف

خواجہ نظام الدین اولیا رحمہ اللہ (وفات 725ھ / 1325ء) برصغیر کے سب سے معروف و مؤثر صوفی بزرگوں میں سے ہیں جن کا تعلق سلسلۂ چشتیہ سے تھا۔ آپ "محبوبِ الٰہی" کے لقب سے مشہور ہوئے اور آپ کی خانقاہ دہلی صدیوں تک ہندوستان میں دین، اخلاق اور محبت کا مرکز رہی۔ خواجہ صاحب کی زندگی اس لحاظ سے غیر معمولی ہے کہ آپ نے ایک طرف سلاطین کے دور میں رہتے ہوئے دنیاوی اقتدار سے مکمل بے نیازی اختیار کی اور دوسری طرف ہر طبقے کے انسان کے لیے خانقاہ کے دروازے کھلے رکھے، جس کے نتیجے میں آپ کے خلفاء کے ذریعے اسلام و اخلاق کا پیغام پورے برصغیر میں پھیل گیا۔ آپ کے ملفوظات "فوائد الفواد" بھی محفوظ ہیں جو آپ کے خلیفہ حضرت امیر حسن سجزی نے مرتب کیے اور جسے اردو و فارسی ادب و تربیت کی اہم ترین کتابوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس جواب میں آپ کا سوانحی تعارف، آپ کی خانقاہ و تربیتی نظام، آپ کی دینی و تبلیغی، علمی و ادبی اور سماجی و اخلاقی خدمات اور آپ کے اثرات بیان کیے جائیں گے۔ سوانحی سال عمومی معلوماتی حوالے کے طور پر درج ہیں۔

سوانحی تعارف

خواجہ نظام الدین اولیا 636ھ / 1238ء کے قریب بدایوں میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں والد کا سایہ اٹھ گیا اور آپ کی پرورش والدہ کی نیک تربیت میں ہوئی، جن کی دعاؤں و دینداری کا ذکر سوانح میں خاص طور پر ملتا ہے۔ آپ نے بدایوں و دہلی میں اس دور کے معروف اساتذہ سے فقہ، حدیث و دیگر علوم کی تعلیم حاصل کی اور نوجوانی میں دہلی آ کر پاکپتن میں بابا فرید الدین گنج شکر رحمہ اللہ سے بیعت و خلافت حاصل کی، جنہوں نے آپ کو دہلی میں قیام کا حکم دیا۔ آپ نے دہلی کے علاقے غیاث پور میں خانقاہ قائم کی جو آپ کی زندگی میں ہی پورے ہندوستان کے لیے مرکز بن گئی۔ آپ نے زندگی بھر تجرد و عبادت، روزوں کی کثرت اور دنیوی لذتوں سے اجتناب کی زندگی گزاری اور سلاطینِ وقت کے درباروں سے دور رہے، اگرچہ حکمران آپ کی زیارت و دعا کے طلب گار رہتے تھے۔ آپ کا وصال 725ھ / 1325ء میں دہلی میں ہوا اور آپ کا مزار آج بھی نظام

الدین کے نام سے مشہور علاقے میں مرجع خلائق ہے۔ آپ کے سوانح کا سب سے روشن پہلو یہ ہے کہ سخت ریاضت و عبادت کے ساتھ آپ نے مخلوق سے محبت و خدمت کو اپنی زندگی کا محور بنایا اور فرمایا کہ مخلوق کی دلجوئی و خدمت بڑی عبادت ہے۔

خانقاہ اور تربیتی نظام

خواجہ صاحب کی خانقاہ ایک کھلا تربیتی و فلاحی ادارہ تھی جس میں امیر و غریب، عالم و عوام سب کے لیے جگہ تھی۔ خانقاہ میں قرآن و حدیث و فقہ کی تعلیم بھی ہوتی تھی، اخلاقی تربیت کا محاسبہ بھی، اور لنگر و مہمان نوازی کا وسیع انتظام بھی، جس میں روزانہ بڑی تعداد میں لوگ کھانا کھاتے اور مسافروں کو سہولت ملتی تھی۔ آپ کا تربیتی اسلوب سختی کے بجائے محبت، نرمی و تدریج پر مبنی تھا: آپ لوگوں کے مزاج و استعداد دیکھ کر نصیحت کرتے، پردہ پوشی فرماتے اور کسی کو مایوس نہ کرتے۔ آپ کی مجالس میں امیر خسرو جیسے اہلِ علم و ادب اور بڑے بڑے علماء شریک ہوتے تھے اور آپ کے ارشادات کو "فوائد الفواد" کی صورت میں محفوظ کیا گیا، جس میں عبادت، سلوک، معاملات و روزمرہ اخلاق پر جامع رہنمائی ملتی ہے۔ تربیت کا ایک اہم پہلو خلفاء کی تیاری و ارسال تھا: آپ نے اپنے تربیت یافتہ خلفاء کو برصغیر کے دور دراز علاقوں میں بھیجا جن میں حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی اور دیگر خلفاء کے ذریعے بنگال، دکن، گجرات و مالوہ تک چشتی پیغام پہنچا۔ تاریخ نگاروں نے نوٹ کیا ہے کہ سیاسی انتشار کے ادوار میں بھی خانقاہ عوام کے لیے امن و سکون کا مرکز رہی، اور یہی تنظیمی و تربیتی لڑی خواجہ صاحب کی سب سے بڑی عملی خدمت ہے۔

دینی، علمی و سماجی خدمات

1۔ دینی و تبلیغی خدمات

خواجہ صاحب کی دینی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ آپ نے عمل و اخلاق کی تبلیغ سے ان گنت لوگوں کی زندگیاں بدلیں؛ آپ کی خانقاہ میں آنے والا صرف وعظ نہیں سنتا تھا بلکہ عملی دینی زندگی دیکھتا تھا۔ غیر مسلموں کے ساتھ بھی آپ کا برتاؤ محبت و انصاف کا تھا جس سے اسلام کی دعوت اپنی اخلاقی صورت میں پہنچتی تھی۔ نماز و عبادات کی پابندی، قرآن سے تعلق اور سنت کی اتباع پر آپ کی تاکید نے ایک پورے عہد کے مزاج کو دینی رخ دیا۔ آپ کے خلفاء کے نیٹ ورک نے یہی پیغام برصغیر کے ان علاقوں تک پہنچایا

جہاں دفتری و سیاسی اثر و رسوخ نہیں پہنچ سکتا تھا، اور اہلِ تاریخ اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ برصغیر میں اسلام کی اشاعت میں خانقاہوں و صوفیا کے اسی کردار کا بڑا حصہ ہے۔

2۔ علمی، ادبی و سماجی خدمات

علمی و ادبی میدان میں آپ کی سب سے بڑی خدمت آپ کے ملفوظات "فوائد الفواد" ہیں جو فارسی ادب کی بھی شاہکار اور تصوف و اخلاق کی بھی بنیادی کتاب سمجھی جاتی ہے اور بعد کے ملفوظات کی روایت کی بنیاد بنی۔ آپ کے حلقے سے حضرت امیر خسرو جیسی کثیر الجہات شخصیت وابستہ رہی جن کی شاعری و ثقافتی خدمات برصغیر کی تہذیبی تاریخ کا حصہ ہیں، اگرچہ انفرادی تخلیقات کا سہرا ان کے اپنے ذوق و محنت کو جاتا ہے۔ سماجی خدمات میں لنگر خانہ چلانا، قرض داروں و ضرورت مندوں کی خاموش مدد، یتیموں و مسافروں کی خبر گیری اور ہر آنے والے کی عزت و دلجوئی سب سے نمایاں ہیں۔ آپ کا مشہور اصول تھا کہ کسی کا دل نہ دکھایا جائے اور مخلوق کی خدمت کو عبادت سمجھا جائے؛ خانقاہ کا مال آتے ہی تقسیم کر دینے کی روش کی وجہ سے آپ کے ہاں فقر و غنا کا عملی توازن پیدا ہوا جس نے امراء کو ایثار اور فقراء کو صبر و خود داری سکھائی۔ اس کے علاوہ آپ نے فرقہ وارانہ تعصب سے اوپر اٹھ کر انسانیت کی قدر سکھائی اور دہلی جیسے سیاسی مرکز میں رہتے ہوئے اقتدار کی سیاست سے الگ رہ کر یہ نمونہ قائم کیا کہ دینی قیادت عوام کی خدمت سے بنتی ہے، حکومت کی قربت سے نہیں۔

جدول 1: خواجہ نظام الدین اولیا کی خدمات کا خلاصہ

نمایاں خدمت	شعبہ
خانقاہی تبلیغ؛ خلفاء کے ذریعے برصغیر میں اشاعتِ اسلام	دین و تبلیغ
محبت و نرمی پر مبنی اسلوب؛ محاسبہ و اخلاقی اصلاح	تربیت
ملفوظات "فوائد الفواد"؛ اہلِ علم و ادب کی سرپرستی	علم و ادب

لنگر، ضرورت مندوں کی مدد، مسافروں وقیدیوں کی خبر گیری	سماجی خدمت
اقتدار سے بے نیازی؛ ہر انسان کی عزت و دلجوئی	اخلاقی نمونہ

آپ کے اثرات اور وفات کے بعد کا سلسلہ

خواجہ نظام الدین اولیا کے اثرات آپ کی زندگی تک محدود نہیں رہے۔ آپ کے بعد آپ کے خلیفہ حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلوی نے دہلی میں اس مشن کو آگے بڑھایا اور آپ کے دیگر خلفاء سے چشتیہ نظامیہ کی شاخیں پورے برصغیر میں قائم ہوئیں۔ اردو ہندی زبان و مقامی ثقافت سے خانقاہی رابطے نے برصغیر کے مذہبی ادب و موسیقی و زبان کی تاریخ پر بھی اثرات چھوڑے، جن کا مفصل جائزہ تہذیبی تاریخ کا موضوع ہے۔ آپ کی شخصیت کا سب سے دیرپا اثر اخلاقی ہے: خدمت کو عبادت، محبت کو ذریعہ اور بے نیازی کو وقار سمجھنے کا مزاج برصغیر کے مسلمان معاشرے میں رچ بس گیا۔ یہی وجہ ہے کہ سات صدیاں گزرنے کے بعد بھی آپ کا نام احترام و محبت سے لیا جاتا ہے اور آپ کی خانقاہ و مزار دینی و سماجی زندگی کا مرکز ہے۔ البتہ علمی دیانت کا تقاضا ہے کہ آپ کی سیرت کا مطالعہ مستند سوانحی ذرائع جیسے فوائد الفواد اور معتبر تذکروں سے کیا جائے اور غیر مستند قصص و روایات کو سیرت کے درجے میں نہ رکھا جائے۔

اختتام

خلاصہ یہ ہے کہ خواجہ نظام الدین اولیا سلسلۂ چشتیہ کے عظیم بزرگ، بابا فرید گنج شکر کے خلیفہ اور دہلی کی مشہور خانقاہ کے بانی تھے، جنہوں نے ریاضت و عبادت کے ساتھ خدمتِ خلق و تربیتِ انسان کو اپنی زندگی کا محور بنایا۔ آپ کی خدمات تبلیغ و اشاعتِ دین، خلفاء کی تیاری، ملفوظات کی علمی روایت اور لنگر و دلجوئی کی سماجی خدمت پر محیط ہیں، اور آپ کے اثرات آج تک برصغیر کے دینی و اخلاقی مزاج میں محسوس کیے جاتے ہیں۔ طالب علم کے لیے آپ کی سیرت کا مرکزی سبق یہی ہے کہ اللہ کی محبت کا ثبوت اس کی مخلوق کی خدمت ہے، اور جس علم و روحانیت سے انسانوں کا دل نہ جڑ سکے وہ اپنی اصل غرض سے خالی رہ جاتی ہے۔